رسول اللہ ﷺ کی تدریسی حکمت عملی: تحقیقی واطلاقی جائزہ

A Research and Applied Review of the Prophetic Teaching Strategy

Hafiz Taj Din[1]
Dr. Abdul Ghaffar[2]

Abstract:

This study examines the teaching strategy of the Prophet Muhammad (peace be upon him), focusing on how he conveyed spiritual, ethical, and societal lessons with profound impact. By analyzing Islamic texts and scholarly interpretations, the paper identifies fundamental elements of the Prophetic teaching approach, including empathy, simplicity, adaptability, storytelling, and the use of practical examples to illustrate complex concepts. The research delves into the Prophetic strategies for effective communication, highlighting how the Prophet's methods fostered deep connections with his audience, from close companions to the broader community. His approach emphasized individualized guidance, fostering a sense of belonging and promoting moral and spiritual growth. By exploring the Prophetic teaching strategy, the study seeks to identify principles that can be applied in contemporary educational and leadership settings. It suggests that these methods can serve as a guide for educators, mentors, and leaders aiming to create inclusive, engaging, and value-based environments. The research underscores the relevance of the Prophetic strategy in addressing modern challenges in education and community building, emphasizing its potential to inspire a compassionate, ethical, and effective approach to teaching and leadership.

Keywords: *education, pedagogy, teaching, prophetic methodology, Pakistan*

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے زندگی کے جملہ پہلوؤں سے متعلق ہدایت ملتی ہے۔ ان پہلوؤں میں سے اہم ترین پہلو معلمانہ پہلو ہے۔ جس کی بدولت آپ نے تمام پہلوؤں سے متعلق ہدایات انسانیت تک پہنچائیں۔ اسی گوشے کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔"[3]

---

[1]. Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, University of Okara, Okara
[2]. Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Okara, Okara

[3]۔ البقرۃ، ۲:۱۵۱ Al-Baqarah, 2:151

"جیسا کہ ہم نے تم میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیجا وہ تمہارے لیے ہماری آیات تلاوت کرتے اور تمہیں پاک کرتے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔"

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے بارے میں فرمایا:

"ان الله تعالیٰ لم یبعثنی معنِّتاً ولا متعنِّتاً، ولکن بعثنی معلما مُیَسِّراً۔"[1]

"بلاشک و شبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جھڑکنے والا بنا کر مبعوث نہیں فرمایا بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔"

گویا نبی کریم کی زندگی سے تدریسی عمل سے متعلق مکمل ہدایات ملتی ہیں۔ جدید تدریس کے جملہ طریقے آپ ﷺ کے تدریسی انداز میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ کی تدریس ہی کا نتیجہ تھا کہ عرب کے جاہل لوگ دنیا کے رہبر بن گئے آج بھی دنیا ان کے طرز عمل سے ہدایت حاصل کر رہی ہے۔ یہاں ہم رسول اللہ ﷺ کے استعمال کیے جانے والے مختلف طریقہ ہائے تدریس کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ تقریری طریقۂ تدریس:

تقریری طریقۂ تدریس ایسا طریقہ ہے جس میں معلم خطبہ کے ذریعے طلبہ کو تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی وساطت سے انسانیت تک پہنچایا اور آپ ﷺ نے اپنی زبان اطہر سے بطریق احسن بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے قول اور عمل کے ذریعے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ اس طرح آپ ﷺ کا تقریری انداز واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ تقریری طریقۂ تدریس میں درج ذیل عناصر بڑی اہمیت کے حامل ہیں:

معلم کی شخصیت، نفس مضمون، پیش کش کا انداز۔

الف۔ حضور ﷺ کی شخصیت:

آنحضور ﷺ مندرجہ بالا حیثیتوں میں سے ہر لحاظ سے بے مثال ہیں۔ آپ ﷺ کی شخصیت کو جس زاویہ سے بھی دیکھیں اعلیٰ وارفع ہے۔ آپ کی پیدائش جس خاندان میں ہوئی وہ خاندان تمام انسانیت سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل واصطفى قريشا من كنانة واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم۔"[2]

1۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب بیان تخییر امرأۃ، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۱۴۷۸۔

Muslim bin Hujjaj, *Al-Jāme Al_Sahīh*, Riyadh: Dar Al Salam li Nashr wa Al Touzīh, 1999, Hadith: 1478

2۔ علامہ البانی، ناصر الدین، سلسلہ احادیث الصحیحہ، المناقب والمثالب، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۹ء، رقم الحدیث: ۳۲۰۹۔

Albani, Nasir-ud-Din, *Silsilah Ahādith Al-Sahīhah*, Lahore: Maktabah Quddoosiah, 2009, Hadith: 3209

"اللہ تعالیٰ نے سیدنا اسماعیلؑ کی اولاد سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے میں (محمد) کو منتخب کیا۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے ہوئے اعلیٰ ترین برگزیدہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے آپ کی شخصیت سب سے افضل ہے۔ آپ کا حلیہ مبارک ایسا پرکشش تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ آپ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آپ ﷺ نہ لمبے تڑنگے تھے، نہ ناٹے کھوٹے، لوگوں کے حساب سے درمیانہ قد کے تھے۔ بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ دونوں کے بیچ بیچ کی کیفیت تھی۔ رخسار نہ زیادہ بہت زیادہ پُر گوشت تھے نہ ٹھوڑی زیادہ چھوٹی اور پیشانی پست، چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ گورا گلابی، آنکھیں سرخی مائل، پلکیں لمبی، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر بقیہ جسم بالوں سے خالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں پُر گوشت، چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور یوں چلتے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ دونوں کندوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔ آپ ﷺ سارے انبیاء کے خاتم تھے۔ سب سے زیادہ سخی دست اور سب سے زیادہ جرأت مند سب سے زیادہ صادق اللہجہ اور سب سے بڑھ کر عہد و پیمان کے پابند وفاء، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے زیادہ شریف ساتھی، جو آپ ﷺ کو دیکھتا ہیبت زدہ ہو جاتا، جو جان پہچان کے ساتھ ملتا محبوب رکھتا، آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ جیسا نہیں دیکھا۔"[1]

اتنی بارعب شخصیت جو ہر لحاظ سے مکمل خطبہ دے رہی ہو تو سامعین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شخصیت پر جہاں اعلیٰ نصب خوبصورت شکل و صورت اثر ڈالتی ہے وہاں کردار کا اعلیٰ ہونا بھی ضروری ہے۔ اعلیٰ کردار جسم میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضور ﷺ کا کردار اتنا پاکیزہ تھا کہ اعلان نبوت کے بعد مخالفین آپ کی کردار کشی نہ کر سکے۔ بلکہ صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ایسے اخلاقی خصائص کے حامل تھے کہ جو ہر جہت سے کامل اور احسن تھے۔ آپ ﷺ بردبار، حلیم، صادق، امین، مشکلات پر صبر کرنے والے، سخی، شجاع اور دلیر، حیادار، عادل، پاک دامن، عہد کو پورا کرنے والے، صلہ رحمی کرنے والے، گویا ہر اعلیٰ وصف سے متصف تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] ۔ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویہ، بیروت: مؤسسۃ حسام رمال، ۲۰۱۲ء، ۱/۴۰۱، ۴۰۲۔

Ibn e Hisham, Abdul Malik, *Al-Seerah Al-Nabawaiyyah*, Beirut: Muassah Hassām Rammāl, 2012, 402/1

"وَ اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْم۔"[1]

"اور یقیناً آپ ﷺ عظیم اخلاق پر فائز ہیں۔"

ب۔ نبی کریم ﷺ کے پیغام کا نفسِ مضمون:

آنحضور ﷺ معلم انسانیت بن کر آئے، آپ ﷺ جو نصاب حیات لے کر آئے وہ ایسا کلام الٰہی ہے جو تمام شکوک و شبہات سے بالا اور مکمل ضابطہء حیات ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ۔"[2]

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔"[3]

"اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے۔"

علاوہ ازیں یہ محفوظ اتنا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَه لَحٰفِظُوْن۔"[4]

"بے شک ہم نے اس ذکر قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

آنحضور ﷺ ایسا کلام لائے جس کے من جانب اللہ ہونے اور محفوظ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے مضامین اور ادبی حیثیت اتنی اعلیٰ ہے کہ پوری انسانیت بھی اس جیسا کلام پیش نہیں کر سکتی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔"[5]

"اور اگر تمہیں اس میں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک صورت بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا اپنے ساتھ اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔"

1۔ القلم، ۶۸:۴۔ Al-Qalam, 68:4

2۔ البقرۃ، ۲:۲۔ Al-Baqarah, 2:2

3۔ فصلت، ۴۱:۴۲۔ Fussilat, 41:42

4۔ الحجر، ۱۵:۹۔ Al-Hajr, 15:9

5۔ البقرۃ، ۲:۲۳۔ Al-Baqarah, 2:23

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"فضل الکلام اللہ علی ساء الکلام کفضل اللہ علی خلقہ۔"[1]

"اللہ تعالیٰ کے کلام کی مخلوق کے کلام پر اس قدر فضیلت ہے جس قدر خود اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام مخلوقات پر ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے بیان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔"[2]

"اور یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ مگر یہ وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔"

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جب آنحضور ﷺ سے کتابتِ حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منی الا الحق۔"[3]

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں مفسرین نے وحی کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ وحیِ متلو: ایسی وحی جس کی باقاعدہ تلاوت کی جاتی ہے۔ یعنی قرآن۔ اسے وحیِ جلی بھی کہتے ہیں۔

۲۔ وحیِ غیر متلو: ایسی وحی جو قرآن کا حصہ نہ ہو، مگر وہ من جانب اللہ ہو۔ یعنی حدیث۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے وحیِ متلو کو قرآن اور وحیِ غیر متلو کو سنت قرار دیا ہے۔ اس طرح قرآن و حدیث دونوں من جانب اللہ ہیں۔ تقریری طریقۂ تدریس کا یہ لازمی اصول ہے کہ معلم جو مواد پیش کرے وہ بالکل درست ہو۔ جو اللہ کا کلام پیش کرے اس کی صداقت و درستگی شک وشبہ سے بالا ہوتی ہے۔

ج۔ پیش کش کا انداز:

تقریری طریقۂ تدریس میں معلم کا خطبے یعنی لیکچر کا انداز پیش کش بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے لیے اہم امور مد نظر رکھنا ہوتے ہیں تاکہ تدریس مؤثر ہو سکے۔ وہ امور درج ذیل ہیں:

1۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، جامع ترمذی، کتاب فضائل قرآن، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۲۹۲۶۔

Tirmidi, Muhammad bin Essa, *Jāme Tirmidi*, Riyadh: Dar Al Salam li Nashr wa Al Touzīh, 2009, Hadith:2926

2۔ النجم، ۵۳: ۳، ۴۔ Al-Najm, 53:3-4

3۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ۱۵۸/۲۔

Abu Dawood, Suleman bin Ash'as, *Al-Sunan*, Riyadh: Dar Al Salam li Nashr wa Al Touzīh, 2009, Hadith: 158

معلم اور طلبہ کے مابین رابطہ:

معلم سب سے پہلے طلبہ کو اس ترتیب سے بٹھاتا ہے کہ وہ خطبے کو اچھی طرح سن سکیں۔ اس دوران استاد اور طلبہ کے درمیان رابطہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور یہی بات کمرۂ جماعت کی تنظیم کے زمرے میں آتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ دوران خطبہ صحابہ کرام کو قریب ہونے کی ترغیب دیتے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

"احضروا الذکر، وادنوا من الامام، فان الرجل لا یزال یتباعد حتیٰ یؤخر فی الجنة وان دخلھا۔"[1]

"نصیحت مجلس میں حاضر ہو جاؤ اور امام سے قریب ہو جاؤ، کیونکہ یقیناً آدمی امام سے دور ہوتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اگر وہ جنت میں داخل بھی ہو گیا تو اس سے مؤخر کر دیا جائے گا۔"

امام ترمذیؒ نے اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔

"لکھ لیا کرو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔"[2]

انہوں نے بیان کیا کہ رسول نے فرمایا:

"من اغتسل یوم الجمعة وغسل وبکر، و ابتکر، ودنا، واستمع، و انصت، کان له بکل خطوة یخطوھا اجر سنة ،صیامھا و قیامھا۔"[3]

"جس نے جمعہ کے دن خوب اچھی طرح غسل کیا، صبح سویرے مسجد کی طرف نکلا، خطیب کے قریب ہوا اور خوب توجہ اور دھیان سے سنا، اس کے لیے اٹھائے جانے والے ہر قدم کے بدلے میں ایک سال کے روزوں اور قیام کا ثواب ہے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ان النبی جلس ذات یوم علی المنبر، و جلسنا حوله۔"[4]

---

[1]۔ ابوداؤد، السنن، رقم الحدیث: ۱۱۰۸۔

Abu Dawood, *Al-Sunan*, Hadith: 1108

[2]۔ ایضاً، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۳۶۴۶۔

ibid, Hadith: 3646

[3]۔ ترمذی، جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الغسل یوم الجمعة، رقم الحدیث: ۴۹۶۔

Tirmidi, *Jāme Tirmidi*, Hadith: 496

[4]۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجمعة، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۹۲۱۔

Bukhari, Muhammad bin Ismail, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Riyadh: Dar Al Salam li Nashr wa Al Touzīh, 1999, Hadith: 921

"ایک دن نبی ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔"

اسی طرح امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا ۔"[1]

"جب رسول ممبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے چہروں کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔"

حصول علم میں طلبہ کی حوصلہ افزائی:

حصول علم کے لیے آنے والے طلبہ کا خیر مقدم کرنا ان کو خوش آمدید کہنا، معلم اور طالب علم کے درمیان خوش گوار تعلق قائم کرتا ہے۔ اور تدریس میں دونوں کے درمیان ادب واحترام کا یہ رشتہ احساس ذمہ داری اور سیکھنے کی لگن کا باعث بنتا ہے۔ تقریری طریقۂ تدریس میں اس امر کی کافی اہمیت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ثابت ہے کہ حصولِ ہدایت کے لیے آنے والے افراد کا خیر مقدم کرتے۔ امام طبرانیؒ نے حضرت صفوان بن عسال مرادیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

"أتيت النبى وهو فى المسجد متكى على بردله أحمر فقلت له: يارسول الله ﷺ! انى جئت أطلب العلم- فقال: مرحبابطالب العلم! ان طالب العلم لتحفه الملائكة بأجنحتها، ثم ير كب بعضهم بعضاً، حتى يبلغوا السماء الدنيا من محبتهم لما يطلب-"[2]

"میں نبی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ ﷺ اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے، تو میں نے عرض کیا: میں طلب علم کے لیے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: طالب علم کو خوش آمدید! یقیناً طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں، پھر وہ ایک دوسرے کے اوپر سوار ہوتے ہوئے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ اس کے مطلوب یعنی علم سے محبت کی بنا پر کرتے ہیں۔"

امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن حبانؒ نے حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اور قبیلہ بنو عامر کے دو اشخاص نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

"من أنتم ؟ "فقلنا: " من بنى عامر "فقال : مرحبا بكم !أنتم منى-"[3]

---

[1] ۔ ترمذی، جامع ترمذی، باب ماجاء فی بیان الجمعۃ، رقم الحدیث: ۴۸۹۔

Tirmidi, *Jāme Tirmidi*, Hadith: 489

[2] ۔ ابن حبان، محمد بن حبان البستی، صحیح ابن حبان، لاہور، شبیر برادرز، ۲۰۱۳ء، ۴۸۷/۲۔

Muhammad bin Haban, *Sahīh Ibne Habān*, Lahore: Shabbir Brothers, 2013, 487/2

[3] ۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب حجۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۲۹۵۰۔

Muslim, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 2950

"آپ کون ہیں، ہم نے کہا کہ ہم بنو عامر سے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: تمہیں خوش آمدید! تم مجھ سے ہو۔"

نبی کریم ﷺ نہ صرف طلبہ کا خود خیر مقدم کرتے، بلکہ آپ ﷺ نے اسی بات کا حکم اپنے صحابہ کو بھی دیا۔ امام ابن ماجہؒ نے حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت نقل کی ہے اور انہوں نے رسول سے کہ یقیناً آپ نے فرمایا:

"سيأتيكم أقوام يطلبون العلم فاذا رأيتموهم فقولوا لهم: مرحبا، مرحبا بوصية رسول الله ﷺ، و اقنوهم۔"[1]

"عنقریب تمہارے پاس قومیں علم طلب کرنے کے لیے آئیں گی، پس تم جب انہیں دیکھو، تو ان سے کہو: رسول ﷺ کی وصیت کے مطابق خوش آمدید! خوش آمدید! اور انہیں تعلیم دو۔"

طلبہ پر دست شفقت رکھنا:

دوران تدریس مختلف مقاصد کے تحت طلبہ کے مختلف اعضاء کو چھونا جیسے تھپکی دینا، سر پر دست شفقت رکھنا، مصافحہ کرنا وغیرہ، تدریس پر مثبت اثرات چھوڑتا ہے۔ جدید ماہرین نفسیات و تعلیم اس عمل کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ سیرت طیبہ سے یہ بات ثابت ہے کہ دوران تعلیم تنبیہ اور انس و مودت کے اظہار کی غرض سے نبی کریم ﷺ اپنے شاگردوں صحابہ کرامؓ کے بعض اعضاء کو چھوتے تھے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

"علمنى رسول الله ﷺ، وكفى بين كفيه، التشهدكمايعلمنى السورة من القرآن۔[2]

"رسول اللہ ﷺ ﷺ نے مجھے اس طرح تشہد سکھائی جیسے کہ آپ ﷺ مجھے قرآن کی سورۃ سکھایا کرتے تھے اور اس وقت میری ہتھیلی آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔"

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کے شانے کو پکڑ کر نصیحت کی:

"كن فى الد نيا كانك غريب أوعابر سبيل۔"[3]

"دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ مسافر ہو یا راہ گزار۔"

حضرت ابو مخذورہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں کہا:

1۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب العلم، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۲۴۹۔

Ibn e Majah, Muhammad bin Yazeed, *Al-Sunan*, Riyadh: Dar Al Salam li Nashr wa Al Touzīh, 2009, Hadith: 249

2۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۶۲۶۵۔

Bukhari, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 2665

3۔ ایضاً، رقم الحدیث: ۶۴۱۶۔

ibid, Hadith: 2416

"قلت: " یارسول اللهﷺ ! علمنی سنة الأ ذان۔ قال:" فمسح مقدم رأسی۔

قال: تقول ، الله أکبر، الله اکبر۔ الله اکبر، الله اکبر۔"[1]

"میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھے اذان سکھا دیجیے، انہوں نے بیان کیا: "پس آپ نے میرے سر کے اگلے حصے کو چھوا، اور فرمایا: "تم کہو: "اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔"

اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ آپ نے تعلیم اذان کے وقت حضرت ابو مخذورہؓ کے سر کے اگلے حصے کو مس فرمایا۔ نبی کریم تعلیم و تربیت کے دوران بسااوقات اپنے شاگردوں کو تنبیہ اور اظہار تعلق کے لیے ضرب لگاتے۔ حضرت ام الفضلؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بیمار چچا کے پاس تشریف لائے، اور وہ اپنی بیماری کی بنا پر موت کی تمنا کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عباسؓ کے سینے پر ضرب لگائی۔ پھر فرمایا:

"لا تتمن الموت یاعم رسول اللهﷺ ! فانک ان تبک تزدد خیرا یکون ذالک، فهو خیرلک، وان تبق تستعتب من شیئ،یکون ذالک خیرا لک۔"[2]

"اے رسول اللہ ﷺ کے چچا! موت کی خواہش نہ کیجیے۔ اگر آپ باقی رہے اور نیکیوں میں اضافہ کیا تو بھی آپ کے لیے بہتر ہے اور اگر آپ باقی رہے اور کسی چیز یعنی غلطی سے معذرت کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا تو یہ بھی آپ کے لیے بہتر ہے۔"

اس حدیث شریف میں صاف واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے سینہ عباسؓ پر ضرب لگائی۔ آنحضرت ﷺ ﷺ کا ایسا کرنا صرف بتلائی جانے والی بات کی جانب مکمل متوجہ کروانے کی غرض سے تھا۔

شاگردوں کو اچھے نام سے پکارنا:

معلم کی شخصیت طلبہ کے لیے ایک عظیم راہنما کی حثیت رکھتی ہے۔ اس کی شفقت طالب علم میں تقلید کا شوق اور حصول علم کی لگن پیدا کرتی ہے۔ جو کہ تدریسی لحاظ سے مثبت اثرات پیدا کرتی ہے۔ آنحضور ﷺ صحابہ کرام کو اچھے ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ بعض اوقات نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو ایک دفعہ، بعض اوقات دو دفعہ اور بعض اوقات تین دفعہ نام لے کر پکارتے۔ حضرت ابوذرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا طبخت مرقة فاکثیر ماءها وتعاهد جیر انک۔"[3]

1۔ نسائی، محمد بن شعیب، السنن، کتاب الاذان، ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۶۳۲۔

Nisai, Muhammad bin Shoaib, *Al-Sunan*, Riyadh: Dar Al Salam li Nashr wa Al Touzīh, 2009, Hadith: 632

2۔ ابن ماجہ، السنن، رقم الحدیث: ۵۹۷۔

Ibn e Maajah, *Al- Sunan*, Hadith: 597

3۔ مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۳۰۴۔

Muslim, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 304

"اے ابوذر! جب شوربا پکاؤ تو اس کے پانی کو زیادہ کر لیا کرو اور پنے پڑوسیوں کی خبر گیری کیا کرو۔"

اس حدیث پاک میں نبی کریم نے باقاعدہ نام لے کر حضرت ابوذرؓ کو نام لے کر پڑوسیوں کی خبر گیری اور ضروریات پوری کرنے کے بارے میں تاکید کی۔تاکہ ان کے قلب وذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے۔امام احمدؒ نے حضرت عباسؓ سے روایت نقل کی کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی چیز بتلائیے کہ میں اس کے ساتھ دعا کروں یعنی اللہ تعالیٰ سے طلب کروں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"سل الله العفوو العافية۔ قال: ثم أتيته مرة أخرى، فقلت: يا رسول اللهﷺ! علمني شيئا أدعوبه۔ فقال: ياعباس! ياعم رسول اللهﷺ! سل الله العافية فى الدنيا والا خرةَ۔"[1]

"اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت کا سوال کرو۔'انہوں نے بیان کیا: پھر میں نے دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے کوئی چیز بتلائیے کہ اس کے ساتھ دعا کروں۔انہوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! اے رسول اللہ ﷺ کے چچا! اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کرو۔"

اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ ﷺ نے اپنے محترم چچا کو دوران تدریس و تربیت دو دفعہ ندا دی۔اس سے تاکید اور اپنی نسبت سے پکارنے میں عزت و محبت کا عنصر سامنے آتا ہے۔بعض اوقات نبی کریم نام لے کر اور پکار کر تعلیم دی جیسے آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو پکار کر تعلیم دی۔[2]

شاگردوں کے لیے دُعا کرنا:

ہمارے نبی کریم ﷺ اپنے شاگردوں کے لیے دُعا فرمایا کرتے تھے۔آپ ان کی فرمائش پر اور بسا اوقات خود بھی ان کے لیے دُعا فرماتے۔یہ دُعا علم کے متعلق بھی ہوتی،اور اس کے علاوہ خیر کی دیگر باتوں کے بارے میں بھی۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

"ضمني رسول اللهﷺ وقال: اللّهم علمه الكتاب۔"[3]

1۔ ابن ماجہ،السنن،کتاب الدعا العافیۃ،رقم الحدیث:۳۸۴۸۔

Ibn e Majah, *Al-Sunan*, Hadith: 3848

2۔ ابوداؤد،السنن،کتاب القضاء،رقم الحدیث:۱۲۳۸۔

Abu Dawood, *Al-Sunan*, Hadith: 1238

3۔ بخاری،الجامع الصحیح،کتاب العلم،رقم الحدیث:۷۵۔

Bukhari, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 75

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینے سے لگایا، اور کہا: "اے اللہ! اس کو علم کتاب عطا فرما دیجیے۔"

کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے قرآن کریم کا علم عطا فرمانے کی دُعا کی۔ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنی مشرکہ ماں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں دعوت دی، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں روبرو وہ بات کہی جو مجھے ناگوار تھی۔ میں روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! یقینا میں اپنی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیا کرتا تھا اور وہ انکار کرتی تھیں۔ آج میں نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے میرے سامنے آپ کے متعلق وہ بات کہی ہے جو مجھے ناپسند ہے۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے کہ وہ ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت عطا فرمادیں۔[1]

تعلّم کو راسخ کرنے کے لیے اہم امور پر تکرار:

تقریری طریقۂ تدریس میں یہ ضروری ہے کہ معلم اہم باتوں کو دہرائے اور بار بار بیان کرے تاکہ طلبہ کے ذہنوں میں وہ بات راسخ ہو جائے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ دوران تعلیم کثرت سے بات کو دہرایا کرتے تھے۔ بات کے اعادہ کی متعدد صورتیں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے ثابت ہیں۔ ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یاأبا سعید! من رضی باللہ ربا، وبا لا سلام دینا، وبمحمد نبیا، وجبت له الجنة، فعجب لها أبو سعید فقال: أعد ها علی یارسول اللہ ﷺ ـ ففعل۔"[2]

"اے ابو سعید! جو اس بات پر راضی ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے رب ہیں، اسلام اس کا دین ہے اور محمد اس کے نبی ہیں اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔"

اس بات سے خوش ہو کر ابو سعیدؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے لیے یہ بات دوبارہ فرما دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے یعنی کہی ہوئی بات کا اعادہ فرما دیا۔

بلا طلب ایک ہی مجلس میں بات کو دہرانا:

نبی کریم ﷺ کا ایک بات کو ایک ہی مجلس میں دو دو، تین تین اور اس سے بھی زیادہ مرتبہ دہرانا ثابت ہے۔ حضرت البراءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

1. مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۳۱۰۔

Muslim, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 310

2. ایضاً، رقم الحدیث: ۱۸۸۴۔

ibid, Hadith: 1884

"من سمی المدینه یثرب، فلیستغفر الله عزوجل، هی طابة، هی طابة۔"[1]

"جس نے مدینہ یثرب کے نام سے پکارا، وہ اللہ عزوجل سے معافی مانگے، وہ طابہ ہے، وہ طابہ ہے۔"

اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے وہ طابہ ہے دو مرتبہ فرمایا۔ امام ابو داؤدؒ نے بہنر بن حکیم سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ حدیث میرے باپ نے بتلائی اور انہوں نے اپنے باپؓ سے روایت نقل کی کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک به القوم، ویل له، ویل له۔"[2]

"اس کے لیے ویل ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لیے ویل ہے، اس کے لیے ویل ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولنے والے کے بارے میں تاکید کی غرض سے تین مرتبہ فرمایا کہ اس کے لیے ویل ہے۔ نبی کریم ﷺ بعض اوقات تین سے بھی زیادہ دفعہ بات کو دہراتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا نبئكم بأكبر الكبائر ثلا ثا ؟

قالوا: بلی یا رسول الله ﷺ !

قال: الاشراک بالله وعقوق الوالدین ۔

وجلس، وكان متكئا :" ألا و قول الزور۔"

قال:" فمازال یکررها حتی قلنا: " لیته سکت۔[3]

"کیا میں تمہیں بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ آپ ﷺ نے یہی بات تین مرتبہ فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی۔ اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے اب آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: "خبردار جھوٹی بات۔ انہوں نے بیان کیا: "آپ ﷺ اس جملے کو اتنی بار دہراتے رہے کہ ہم نے کہا: "کاش کہ آپ ﷺ خاموش ہو جاتے۔"

---

1. مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، رقم الحدیث: ۱۳۸۲۔

Muslim, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 1382

2. ابو داؤد، السنن، رقم الحدیث: ۴۹۹۰۔

Abu Dawood, *Al-Sunan*، Hadith: 4990

3. بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: ۲۶۵۴۔

Bukhari, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 2654

اس حدیث شریف میں یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ خبردار اور جھوٹی بات اس قدر کثرت سے دہرایا کہ حضرات صحابہ کہنے لگے: "کاش کہ آپ ﷺ خاموش ہو جاتے۔"

طلبہ کو سمجھانے کی خاطر ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا:

تقریری طریقۂ تدریس کا ایک اصول یہ ہے کہ مقرر کی بات سامعین سمجھ سکیں۔ وہ تیز نہ بولے بلکہ اس کی بات میں ٹھہراؤ اور وضاحت ہونی چاہیے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ تیز تیز نہ بولتے تھے، بلکہ آپ ﷺ کی گفتگو میں اس قدر ٹھہراؤ اور وضاحت ہوتی کہ ہر سننے والا اس کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ امام ابو داؤدؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

"کان فی کلام رسول اللهﷺ ترتیل أو ترسیل۔"[1]

"رسول اللہ ﷺ کی گفتار میں ترتیل یا ترسیل تھی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"کان کلام رسول اللهﷺ کلاما فصلا یفهمه کل من سمعه۔"[2]

"رسول اللہ ﷺ کی گفتار جدا جدا ہوتی تھی، ہر سننے والے اس کو سمجھتا تھا۔"

ایک دوسری روایت میں کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا:

"ان رسول اللهﷺ لم یکن یسرد الحدیث کسردکم۔"[3]

"رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح جلدی جلدی گفتگو نہ فرماتے تھے۔"

اس سے یہ مراد ہے کہ آپ اس طرح تیزی سے نہ بولتے کہ سننے والا سمجھ نہ سکے۔

اشاروں اور مثالوں سے بات کو واضح کرنا:

تقریری طریقۂ تدریس میں مثالوں سے بات کو واضح کرنا آموزش کو راسخ کر دیتا ہے۔ دورانِ خطبہ معلم کا موضوع اور الفاظ کی نوعیت و مفہوم کے مطابق جسم کے مختلف حصوں کی حرکات و سکنات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اسے Body Language کا

1۔ ابن ماجہ، السنن، رقم الحدیث: ۱۹۷۔

Ibne Maajah, *Al-Sunan*, Hadith: 197

2۔ ابو داود، السنن، کتاب العلم، باب في سرد الحدیث، الرقم الحدیث: ۳۶۵۴۔

Abu Dawood, *Al-Sunan*، Hadith: 3654

3۔ ترمذی، جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب في کلام النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۹۔

Tirmidi, *Jāme Tirmidi*, Hadith: 3639

نام دیا جاتا ہے۔اس طرح اشاروں کے ذریعے بات کو واضح کرنے سے متعلق متعدد روایات ملتی ہیں جیسے کہ امام بخاری نے حضرت سہلؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بعثت أنا و الساعة كهاتين ـ و يشير با صبعيه فيمد هما ـ "[1]

"مجھے اور قیامت کو ان دونوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرماتے، پھر ان دونوں کو پھیلا دیتے۔"

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اپنی دو انگلیوں کے اشارہ کے ساتھ اپنے زمانہ بعثت اور روز قیامت کے باہمی قرب کو بیان فرمایا۔اسی طرح آپ ﷺ مثالوں سے بھی بات کو واضح کرتے تاکہ حاضرین مجلس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر سکیں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"مثلی ومثل الا نبیاء من قبلی كمثل رجل بنیٰ بنیانا، فأحسنه وأجمله الا موضع لبنة من زاوية من زو اياه ـ فجعل الناس يطوفون به، ويعجبون له، ويقولون: فأنا اللبنة، و أناخاتم النبيين ـ"[2]

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاءِ علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے کوئی عمارت بنائی، تو اس نے اس کو خوب آراستہ پیراستہ کیا، لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی لوگ اس میں گھومتے رہے اور اس کو دیکھ کر خوش ہوتے رہے اور کہتے رہے: اس اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا؟ آپ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔"

۲۔مظاہراتی طریقۂ تدریس:

مظاہراتی طریقۂ تدریس میں معلم طلبہ کے سامنے کسی فعل یا تجربے کا عملی مظاہرہ کرتا ہے اور طلبہ اس کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں۔اس طرح سبق کے باریک نکات کو بھی سیکھ جاتے ہیں۔ پھر ان تجربات کو عملی زندگی میں لاگو کر کے تعلم یا آموزش کو مستحکم کر لیتے ہیں۔

نبی پاک ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ان پر اللہ تعالیٰ کی آخری اور مکمل کتاب قرآن نازل ہوئی۔آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کر کے دکھایا یعنی آپ ﷺ کی ساری زندگی انسانیت کے سامنے احکامات الٰہیہ کا عملی مظاہرہ

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۶۵۰۴۔

Bukhari, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 6504

2۔ ایضاً، باب خاتم النبیین، رقم الحدیث: ۳۵۳۵۔

ibid, Hadith: 3535

ہے۔اس طرح قرآن پاک میں جو احکامات موجود ہیں ان کا عملی اطلاق آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی پیروی کر کے کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔"[1]

"بلاشہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

لہٰذا ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ۔"[2]

"جس نے رسول کی اطاعت کی پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

جیسا کہ آپ ﷺ نے نماز کے بارے میں فرمایا:

"صلوا كما رأيتمونی أصلی۔"[3]

"تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔"

اس طرح آپ ﷺ نے نماز کا عملی مظاہرہ صحابہ کرام کے سامنے پیش کیا۔تو انہوں نے نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھ لیا۔اسی طرح مختلف اوقات نماز کے بارے میں بھی نبی کریم ﷺ نے اول وقت اور آخر وقت میں نمازیں پڑھا کر اوقات الصلوٰۃ صحابہ کرام کو سکھائے۔اسی طرح روزوں کے بارے میں خیط الابیض یعنی پوہ پھوٹنے کا وقت اور خیط الاسود یعنی غروب آفتاب کے بعد روزہ افطار کرنے کا وقت۔ نبی کریم کی سنت ہی سے مل سکتا ہے۔اس طرح مناسک حج، نصاب زکوٰۃ وغیرہ سنت نبوی یعنی آپ کی زندگی کے عملی مظاہرے سے ہی سیکھ سکتے ہیں۔اسی طرح بعض امور کے بارے میں وضاحت وتاکید کے ذریعے تعلیم دیتے تھے۔عبید اللہ بن فیروز سے روایت ہے ،انہوں نے فرمایا کہ میں نے البراء بن عازبؓ سے عرض کیا: "مجھے قربانی کے ان جانوروں کے متعلق بتائیے، جن کی قربانی کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا یا ان سے منع فرمایا۔" انہوں نے بیان کیا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح اپنے ہاتھ سے فرمایا:

"أربع لا تجوز فی اضحایا۔العوراء البین عورها،والمريضة البين مرضها، و العرجاء البين ظلعها، والكسيرة التی لا تنقی۔"[4]

1۔ الاحزاب،۳۳:۲۱۔

Al-Ahzāb, 33:21

2۔ النساء،۴:۸۱۔

Al-Nisā, 4:81

3۔بخاری،الجامع الصحیح، کتاب الأدب باب رحمۃ الناس والبهائم، رقم الحدیث:۶۰۰۸۔

Bukhari, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 6008

4۔ ابن ماجہ،السنن، باب مایکرہ ان یضحی بہ، رقم الحدیث:۳۱۴۴۔

Ibne Maajah, *Al-Sunan*, Hadith: 3144

"چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں: یک چشم جس کا یک چشم ہونا نمایاں ہو، بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن عیاں ہو اور ایسا بوڑھا کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو۔"

یہاں آنحضور ﷺ نے ان چار اقسام کے جانوروں کی تفصیل بتائی جن کی قربانی جائز نہیں۔ آپ نے چار کا لفظ بولتے وقت اپنی چار انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا، تاکہ وضاحت ہو جائے۔ اسی طرح مسلمانوں کو آپس میں اتحاد، محبت اور جانثاری کا درس مظاہراتی طریقے کے تحت دیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا۔ ثم شبک بين أصابعه۔"[1]

"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو قینچی کی طرح کیا۔"

حافظ ابن حجرؒ آپ ﷺ کے ہاتھوں کو قینچیوں کی طرح کرنے کے بارے میں کہتے ہیں:

"هو بيان لوجه التشبيه أيضا أى يشد بعضهم بعضا مثل هذا الشد۔"[2]

"اس میں وجہ تشبیہ کا بیان بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اس طرح تقویت دیتے ہیں جیسا کہ انگلیاں اس طرح قوت کا سبب بنتی ہیں۔"

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے:

"الذى يريد المبالغة فى بيان أقواله يمثلها بحركاته ليكون أوقع فى نفس السامع۔"[3]

"جو شخص اپنی گفتگو کے بیان میں زور پیدا کرنا چاہتا ہے وہ اشاروں سے اس کی وضاحت کرتا ہے تاکہ وہ سامع کے خوب ذہن نشین ہو جائے۔"

ہمارے نبی کریم ﷺ بسا اوقات مسائل کو خوب اچھی طرح سمجھانے کی خاطر خطوط کھینچ کر اور مختلف شکلیں بنا کر بات کی وضاحت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

"خط لنا رسول الله ﷺ خطا، ثم قال: هذا سبيل الله۔ ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله، ثم قال: هذه سبل۔ قال يزيد: متفرقة على كل سبيل منها الشيطان

1۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم والغصب، باب نصر المظلوم، رقم الحدیث: ۲۴۴۶۔

Bukhari, *Al-Jāme Al-Sahīh*, Hadith: 2446

2۔ ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح بخاری، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳ء، ۲/۲۳۱۔

Ibne Hajr, Ahmad bin Ali, *Fat'h al Bārī Sharah Sahīh Bukhārī*, Beirut: Dar Al-Kutub Al-Ilmiyah, 2003, 231/2

3۔ ایضاً۔

ibid

يدعو اليه، ثم قرأ: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ-"[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: ''یہ اللہ تعالی کی راہ ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس کے دائیں جانب اور اس کے بائیں جانب خطوط کھینچے، پھر فرمایا: ''یہ راہیں ہیں۔'' یزید نے بیان کیا: ''جداجدا''ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے۔آپ نے قرآن کریم کا یہ حصہ پڑھا"اور بلا شبہ یہ میری راہ ہے سیدھی، سو تم اس پر چلو اور دوسروں کی راہوں پر مت چلو۔ وہ تمہیں اُس اللہ کی راہ سے جدا کردیں گے۔"

اس حدیث شریف سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مقصود کو سمجھانے کی غرض سے لکیریں کھینچیں۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے:

"أن النبی غرز عودا بين يديه، و آخرالی جنبه، وآخر أبعد، فقال: أتدرون ما هذا؟ قالو: الله و رسوله أعلم۔ قال: هذا الانسان، وهذا الأجل، أراه۔ قال: وهذا الأ مل، فيتعاطى الأمل، فلحقه الأ جل دون الأمل۔"[2]

"نبی ﷺ نے ایک چھڑی اپنے سامنے گاڑی، دوسری اس کے پہلو میں اور تیسری زیادہ دور۔ پھر فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟انہوں نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ انسان ہے اور یہ موت ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اور یہ آرزو ہے اور وہ آرزو کے پانے کی کوشش میں ہے۔ لیکن آرزو کے حصول سے پہلے ہی موت اس کو آپہنچتی ہے۔اس طرح مظاہرے کے ذریعے سمجھانا ثابت ہوتا ہے۔"

۳۔ منصوبی طریقۂ تدریس:

منصوبی طریقۂ تدریس کے تحت ایک بامقصد منصوبے پر عمل کر کے نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ جن سے منصوبے کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ مختلف امور میں صحابہ کرام سے مشاورت کے بعد منصوبہ طے کرتے۔ منصوبہ سازی اور عمل درآمد کے دوران مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا جاتا تھا۔اس طرح گروہی تدریس کا تصور سامنے آتا ہے۔

1۔ احمد بن حنبل، المسند، بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۴۳۵/۱، رقم الحدیث: ۴۱۴۲۔

Ahmad bin Ali, Al-Musnad, Beirut: Mu'assasah Al- Risālah, 435/1, Hadith: 4142

2۔ امام بغوی، حسین بن مسعود، شرح السنۃ، کتاب الرقاق، باب طول الأمل والحرص، لاہور: انصار السنہ پبلیکیشنز، ۲۸۵/۱۴، رقم الحدیث: ۴۰۹۲

Imam Baghvi, Hussain bin Masud, *Sharah al-Sunnah*, Lahore: Ansar al Sunnah Publications, 285/14, Hadith: 4092

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو آپس میں مشورہ کرنے کے بارے میں فرمایا:

"وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔"[1]

"اور ان کا کام باہم مشورہ پر مبنی ہوتا ہے۔"

اسی طرح فرمایا:

"وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ۔"[2]

"اور کام میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔"

نبی کریم ﷺ اپنی مکی اور مدنی زندگی میں مختلف امور طے کرتے وقت صحابۂ کرام سے مشاورت کیا کرتے تھے۔ مکی زندگی میں دار ارقم کو تبلیغی ومشاورتی مرکز بنایا اور مدنی زندگی میں مسجد نبوی میں اہل ایمان آپس میں مشاورت کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور باہر سے آنے والے قبائل سے بھی مشاورت کی جاتی تھی۔ اس کے نتیجے میں اہم فیصلے کیے جاتے تھے۔ مکی زندگی میں جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو ہجرت حبشہ کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ منصوبہ بے مقصد نہ تھا بلکہ اس کے کئی مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ مسلمانوں کو کفار کے مظالم سے نجات مل گئی دوسرا یہ کہ حبشہ میں وہاں کے بادشاہ نجاشی تک اسلام کا پیغام پہنچا اور اس نے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی رسالت کو برحق بھی تسلیم کر لیا اور مسلمانوں کو امان دی۔

اسی طرح جب دو عظیم ہستیوں حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کا انتقال ہو گیا اور نبی کریم کے قتل کے منصوبے کو مکمل کرنا کفار کے لیے آسان ہو گیا تو اللہ کی رضا اور امر کے تحت ہجرت مدینہ کا عظیم منصوبہ تیار کیا گیا تو اس سے کثیر مقاصد حاصل ہوئے۔ یعنی کفار کے مظالم سے نجات مل گئی، اسلامی ریاست قائم ہو گئی، اسلام باقاعدگی سے پھیلنا شروع ہو گیا، یہاں تک کہ باطل پر غالب آگیا۔

مدینہ میں مثاق مدینہ جو کہ اہل ایمان اور وہاں کے رہنے والے قبائل کے درمیان طے پایا ایک عظیم تحریری دستور تھا۔ جس کے باعث باقاعدہ طور پر اسلامی ریاست کی بنیاد پڑ گئی جس کے حکمران نبی اکرم قرار پائے۔ غزوۂ بدر کا منصوبہ اور نقشہ اس طرح ترتیب دینا کہ اسلامی فوج کا پڑاؤ بلندی پر تھا اور پست علاقے پر کفار کی فوج تھی۔ بلندی سے کفار کی تعداد کم اور کفار جب پست سطح سے اسلامی فوج کو دیکھتے تو وہ کثیر تعداد میں دکھائی دیتے۔ بارش ہو جانے کے بعد اسلامی فوج کی طرف چونکہ ریتلا علاقہ تھا تو ریت جم گئی اور کفار کی جانب چکنا علاقہ تھا اور پستی کی وجہ سے پانی جمع ہو گیا اور کیچڑ بھی بن گئی۔ جس کے باعث ان کو دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں کی بہادری، اللہ کی نصرت، بہتر منصوبہ سازی کے باعث انہیں فتح نصیب ہوئی۔

1۔ الشوریٰ، ۴۲:۳۸۔ Al-Shūrā, 42:38

2۔ آل عمران، ۳:۱۵۹۔ Āl-e-Imran, 3:159

غزوۂ خندق میں مدینہ میں ہی رہ کر دفاع کرنے کا فیصلہ اور مشاورت کے نتیجے میں خندق کھودنے کا منصوبہ جس کو دیکھ کر کفار ششدہ رہ گئے، ان کے سارے ارادے خاک میں مل گئے۔ تو یہ اس عظیم منصوبے کا نتیجہ تھا کہ کفار کو ناکام و پست لوٹنا پڑا۔[1]

اسوۂ رسول سے ایسے بے شمار منصوبے سامنے آتے ہیں جو عظیم مقاصد کے تحت بنائے گئے اور بہترین منصوبہ سازی کے باعث کامیاب ہوئے۔ منصوبی طریقۂ تدریس کے بھی یہی اصول ہیں کہ پہلے معلم مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت کو اجاگر کرے، پھر مسئلہ کے حل سے متعلق مقاصد مد نظر رکھے جائیں، پھر معلم اور طلبہ کے باہمی مشورے سے منصوبہ سازی کی جائے۔ جس پر پوری لگن اور محنت سے عمل کیا جائے اس دوران معلم راہنمائی کرتا جائے۔ منصوبے کی تکمیل پر نتائج اکٹھے کیے جائیں۔ اور جائزہ لیا جائے کہ منصوبے کے مقاصد کہاں تک حاصل ہوئے ہیں۔ یہ نبی کریم کی منصوبہ سازی کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ ان کے بعد خلافت راشدہ میں باہم مشورے سے مسائل کے حل کے لیے منصوبہ سازی کی جاتی تھی اور پوری قوت، محنت اور لگن سے تکمیل کی سعی کی جاتی تھی۔ اس طرح کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔

۴۔ مسئلی طریقۂ تدریس:

یہ گروہی تدریس کا اہم اور مقبول ترین طریقہ ہے۔ تعلیم کے تدریسی مسائل کو حل کرنے کا ایک ایسا طریقہ کار ہے جس میں معلم اور طلبہ ایک سوچے سمجھے، شعوری منصوبے کے تحت کسی تعلیمی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معلم طلبہ کو مسئلہ کی نوعیت سمجھاتا ہے اور طلبہ مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں اس عمل میں معلم طلبہ کی رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

اسوۂ رسول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہم معاملات میں آپ معاملہ یا مسئلہ کو صحابہ کرامؓ کے سامنے رکھتے اور ان سے اس کے حل سے متعلق آراء طلب کرتے، یوں مل جل کر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مثلاً غزوۂ احد کے موقع پر جب غزوۂ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے کفار مکہ غضب ناک ہو کر مقابلہ کے لیے آئے تو صحابہ کرام سے مشاورت کی گئی۔ آنحضور ﷺ نے مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا تو آپ کی مرضی کے خلاف سب نے باہر میدان میں مقابلہ کرنے پر اتفاق کر لیا انہوں نے اکثریت کی رائے مسئلے کے حل کا احترام کیا اور احد کے مقام پر جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ غزوۂ احزاب میں جب عرب کے سب قبائل مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آنے لگے تو نبی کریم نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور یہ مسئلہ صحابہ کرام کے سامنے رکھا۔ کافی غور غوض کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ نے مسئلے کا حل پیش کیا کہ فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے یہ بڑی دفاعی حکمت عملی تھی۔ اہل عرب اس سے ناواقف تھے تو ان کی یہ تجویز قبول کر لی گئی اور عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ اسی کے باعث پورے عرب کی فوج ناکام لوٹ گئی۔ مسئلی طریقۂ تدریس کا بعینہ یہی طریقۂ کار ہے۔ اسی طرح اسوۂ رسول

1۔ محمد عبدالمعبود، تاریخ مدینہ منورہ، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۱۶ء، ص: ۳۵۲۔

Muhammad bin Abdul Ma'bood, *Tareekh Madinah Munawarah*, Lahore: Maktabah Rahmaniah, 2012, 352

سے متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے سامنے مسئلہ رکھ کران سے مشاورت سے اس کو حل کرنے کی کوشش کرتے۔

خلاصہ بحث:

مضمون ہذا میں رسول اللہ ﷺ کی تدریسی حکمتِ عملی کی تحقیق کے دوران آپ ﷺ کے معلمانہ اوصاف کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی تدریس کے ایسے ایسے پہلو سامنے آئے کہ جن کا مشاہدہ کرکے انسان سر دُھن کے رہ جاتا ہے۔ تقریری طریقۂ تدریس، حضور ﷺ کی شخصیت، نبی کریم ﷺ کے پیغام کا نفس مضمون، پیش کش کا انداز، معلم اور طلبہ کے مابین رابطہ، حصول علم میں طلبہ کی حوصلہ افزائی، طلبہ پر دست شفقت رکھنا، شاگردوں کو اچھے نام سے پکارنا، شاگردوں کے لیے دُعا کرنا، تعلّم کو راسخ کرنے کے لیے اہم امور پر تکرار، بلا طلب ایک ہی مجلس میں بات کو دہرانا، طلبہ کو سمجھانے کی خاطر ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرنا، اشاروں اور مثالوں سے بات کو واضح کرنا، مظاہراتی طریقۂ تدریس، منصوبی طریقۂ تدریس، مسئلی طریقۂ تدریس ایسے امور ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی بہترین انقلابی حکمتِ عملی کا مظہر ہیں۔ یہی طرزِ عمل تھا کہ جو مکمل طور پر نفسیاتی بنیادوں پر استوار کیا گیا اور نتیجتاً محض ۲۳ برس کے مختصر عرصہ میں دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو گیا کہ شروع سے رہتی دنیا تک ایسی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی وتدریسی حکمت عملی عصرِ حاضر میں معلمین اور والدین کے لیے بصیرت کا ایک اعلیٰ نمونہ فراہم کرتی ہے۔